نفس مطمئنہ ہی ہے جس کے نتیجہ میں دنیا میں احمدیت پر گہرا کامل یقین ہوتا چلا جائے گا۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 16 رمئی 1997ء بمقام بیت النور۔ ہمبرگ جرمنی)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیات کریمہ کی تلاوت کی۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ۝ (الرعد: 29، 30)

پھر فرمایا:

آج کا یہ خطبہ میں ہمبرگ سے دے رہا ہوں اور یہاں سے براہ راست نشر کیا جارہا ہے یعنی انٹرنیشنل احمدیہ ٹیلی ویژن کے ذریعے تمام دنیا میں یہاں سے براہ راست نشر کیا جارہا ہے۔ چونکہ جس کمپنی سے انہوں نے بات کی تھی اس کی وین میں کچھ خرابی ہوگئی تھی اس لئے بجائے وقت پر شروع ہونے کے تقریباً پندرہ منٹ بعد یہ خطبہ شروع ہو رہا ہے۔

جماعت احمدیہ جرمنی کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل کے ساتھ بڑی تیزی کے ساتھ مختلف پہلوؤں سے ترقی کی توفیق عطا فرما رہا ہے اور دن بدن ان کے کام بڑھتے جارہے ہیں اور کام کرنے والے ہاتھ بھی اللہ کے فضل سے بڑھ رہے ہیں یعنی بہت سے ایسے نوجوان یا بڑے چھوٹے جو پہلے باقاعدہ جماعت کے کاموں میں حصہ نہیں لیا کرتے تھے۔ اب ایک غیر معمولی قوت کے ساتھ جماعت کی

طرف کھنچے چلے آرہے ہیں اور کام کرنے والوں کی تعداد رات دن بڑھ رہی ہے لیکن ابھی تربیت کی بہت ضرورت ہے اور ابھی انفرادی طور پر ہر شخص کے تقویٰ کے معیار بڑھانے کی بھی ضرورت ہے کیونکہ کام کرنے والے بہر حال خلوص سے آتے ہیں، دنیا کی لذتیں چھوڑ کر، دنیا کی دلچسپیوں سے منہ موڑ کر جب وہ دین کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیتے ہیں تو یہی ایک بہت بڑی بات ہے جوان کے تقویٰ یا نہاں تقویٰ کو ظاہر کرتی ہے۔

تقویٰ بھی نہاں ہوتا ہے اور ظاہر ہوا کرتا ہے۔نہاں تقویٰ وہ بیج ہے تقویٰ کا جس کے نتیجے میں انسان دنیا سے منہ موڑتے ہوئے اللہ کے کاموں کی طرف توجہ شروع کرتا ہے لیکن اس کے بڑھنے میں، اس کی نشوونما پانے میں ابھی بہت سی منازل باقی ہیں۔پس اس پہلو سے میں نے یہ دعا کی اور آپ کو بھی اس دعا میں شامل کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ جماعت جرمنی کے تمام کارندوں کو پہلے سے بڑھ کر تقویٰ عطا فرمائے اور ان کا تقویٰ ان کے اعمال میں ظاہر و باہر ہو اور بہت سی ایسی خرابیاں اور کمزوریاں جو انفرادی طور پر جماعتوں میں پائی جاتی ہیں یا اجتماعی طور پر جماعتوں میں پائی جاتی ہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو دور فرما دے۔پس كَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا (آل عمران :194) کی دعا ہمیشہ جاری رہنی چاہئے کہ اے ہمارے رب ہماری برائیوں کو ہم سے دور فرماتا چلا جا اور فرماتا رہ۔

کل جو پروگرام ہوئے تھے ان سے یہ بھی اندازہ ہوا کہ بڑھتے ہوئے کاموں کے نتیجے میں غیروں کا رجحان بڑی تیزی سے جماعت کی طرف ہو رہا ہے اور کام بعض دفعہ اتنے پھیلے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے وہ سنبھالے نہیں جارہے۔مثلاً کل جماعت کی توقع تھی کہ سوڈیڑھ سو افراد آئیں گے۔یعنی زیادہ سے زیادہ ان کا یہ خیال تھا۔کچھ فرانسیسی بولنے والے، کچھ ترکی بولنے والے، کچھ عربی بولنے والے لیکن خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ جو غیر از جماعت اور غیر مسلم کل شامل ہوئے ہیں ان کی تعداد تین سو سے بھی اوپر تھی اور ان میں مختلف زبانوں کے بولنے والے اصرار کر رہے تھے کہ ہمیں بھی موقع دیا جائے، ہمارے سوالات کے بھی جوابات ملنے چاہئیں۔نتیجہ یہ نکلا کہ تقریباً سوا دو گھنٹے کی مجلس کے باوجود سب ہی پیاسے معلوم ہو رہے تھے اور چاہتے تھے کہ انہیں کچھ اور موقع ملنا چاہئے۔

پس میں نے سوچا کہ دراصل اب یہاں کے لئے صرف ایک ایسی مجلس کافی نہیں جس میں چار پانچ زبانوں والے شامل ہوں بلکہ یہاں بھی اور جرمنی کے دوسرے حصوں میں بھی اب زبانوں

کے اعتبار سے الگ الگ مجلسیں بنانی پڑیں گی۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بھی یہ فیصلہ کیا ہے کہ بوسنین بولنے والوں کی الگ مجلس لگا کرے اور البانین بولنے والوں کی الگ مجلس لگا کرے۔تو کام اللہ تعالیٰ کے فضل سے پھیلتے جارہے ہیں اور ان کاموں کے ساتھ ساتھ مرکزی ذمہ داریاں بھی بڑھتی جارہی ہیں اور یہ خوف پیدا ہوتا ہے کہ کیا میں ان سب ذمہ داریوں کو ادا کرسکتا ہوں یا نہیں مگر اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو احمدیہ انٹرنیشنل مسلم ٹیلی ویژن عطا فرمایا ہے اس کے ذریعہ بہت سے بوجھ ہلکے ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ کل ہی میں نے یہاں کے ایسے احباب کو جو مدعو تھے مگر سوال نہ کر سکے ان سے درخواست کی اور اکثر کے چہروں پر اس کے نتیجے میں چمک دیکھی کہ آپ اپنے تمام سوالات لکھ کر MTA کو لندن بھجوا دیں اور ہم انشاء اللہ سب کے جوابات آپ کو دیں گے اور آپ ہی کی زبانوں میں ان کے جوابات کو نشر کیا جائے گا لیکن علاوہ ازیں مقامی طور پر ہمیں بہت سے جواب دینے والوں کی ضرورت ہے اور یہ ممکن نہیں رہا ہمیشہ جرمنی میں جہاں میں جاؤں وہیں الگ الگ مجلسیں لگیں۔ آپ میں سے کثرت سے ایسے آدمی اب تیار ہونے چاہئیں جو خود مجالس سوال و جواب لگائیں اور پورے اطمینان کے ساتھ، دعا کرتے ہوئے مختلف سوالات کے جواب دینا سیکھیں۔ ’’سیکھیں‘‘ اس لئے میں نے کہا کہ جواب دینے کے دوران ہی ان کی طالب علمی کا زمانہ شروع ہو جاتا ہے اور بظاہر وہ استاد بن کر جواب دے رہے ہوتے ہیں مگر ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ ان کو سکھاتا چلا جاتا ہے اور یہ ایک میرا وسیع تجربہ ہے جس میں میں آپ کو بھی شامل کرنا چاہتا ہوں۔

یہ خیال دل سے نکال دیں کہ بہت بڑے علم کی تیاری کے بعد آپ کو غیروں کے سوالات کا اطمینان بخش جواب دینے کی توفیق مل سکتی ہے۔ بسا اوقات انسان ایک سوال سے بالکل ناواقف اور اس بات سے بالکل بے بہرہ ہوتا ہے کہ سوال کرنے والے کو کیسے مطمئن کیا جائے اور اچانک اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے دل میں ڈالتا ہے اور جو خدا دل میں ڈالتا ہے وہی بات درست نکلتی ہے۔ پس یہ سلوک کسی ایک شخص سے نہیں ہے ساری جماعت سے ہے اور جماعت احمدیہ کے وقار کی خاطر اللہ تعالیٰ نے یہ اپنی رحمت کا سلسلہ جاری فرمایا ہے۔ چنانچہ بہت سے احمدی جو کم علم رکھنے کے باوجود وقت کی مجبوری کے پیش نظر مختلف دلچسپی رکھنے والوں کے سوالات کا جواب دینا چاہتے ہیں بسا اوقات مجھے

لکھتے ہیں کہ اس طرح ہم تو بغیر تیاری کے تھے، کوئی علم نہیں تھا مگر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ہمیں وہ بات سکھا دی جس کے نتیجے میں پوچھنے والوں کے دل مطمئن ہوئے۔

پس جماعت جرمنی کے بڑھتے ہوئے کام پر گھبرانے کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ نے ہی یہ کام سنبھالنے ہیں وہی ہمیشہ سنبھالتا چلا آیا ہے اور اس فکر کی ضرورت نہیں کہ اب ہم کیا کریں گے۔ کچھ آپ میں کام کرنے والے پہلے سے بڑھ کر آگے آئیں گے، جو آگے آچکے ہیں اللہ ان کی تربیت فرمائے گا اور ان کو پہلے سے بہتر ان بڑھتے ہوئے کاموں کے تقاضے پورے کرنے کی توفیق بخشے گا لیکن یہ کام تو اب پھیلنے ہی پھیلنے ہیں اور انہیں بڑھنا ہے۔ اس خوف سے کہ ہم ان کو سنبھال سکیں گے کہ نہیں، آپ نے اپنے قدم نہیں روکنے اور یہی میری نصیحت دنیا بھر کی جماعتوں کو ہے جو اس وقت خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اس تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہی ہیں کہ بعض دفعہ وہ منتظمین جو مختلف جماعتوں میں کاموں کے سربراہ ہیں حیران رہ جاتے ہیں کہ اب ہم کیا کریں گے اور آئندہ ہمارا کیا لائحہ عمل ہونا چاہئے۔ کیا اپنے کام روک لیں تا کہ جو لوگ ہاتھ آئے ہیں ان کو سنبھال سکیں یا اسی رفتار سے آگے بڑھتے رہیں۔

یہ سوال ہے جو مختلف امراء اور مربیوں کے ذہنوں میں ابھر رہا ہے لیکن میں نے ان کو جو ترکیب بتائی، جو بات سمجھائی وہ جہاں فی الحقیقت پوری طرح عمل میں آئی ہے وہاں ان کے سارے مسئلے خدا تعالیٰ کے فضل سے حل ہوئے بلکہ بہت سی نئی باتیں ان کو ایسی سمجھ آئیں جن کی طرف پہلے خیال نہیں گیا تھا۔ میں نے جماعتوں کو مثلاً افریقہ کی جماعتوں کو جہاں بہت تیزی سے جماعت پھیل رہی ہے، کئی ممالک ایسے ہیں جہاں اس وقت تین لاکھ کے لگ بھگ احمدی ہو چکے ہیں اور آئندہ ان کی توقع ہے کہ کم وبیش دو لاکھ بقیہ وقت میں اور مل سکتے ہیں۔ تو جہاں پانچ پانچ لاکھ کی تربیت کی ذمہ داری ڈالی جا رہی ہو وہاں آپ تصور کر سکتے ہیں کہ منتظمین کا کیا حال ہوگا جنہوں نے ان کو سنبھالنا ہے اور پھر آگے اور بھی قدم بڑھانا ہے۔

حسن اتفاق یہ ہے کہ یہ سال مباہلے کا سال ہے اور اس مباہلے کے سال میں دشمن نے یہ چیلنج دیا تھا اور بڑی بڑی مساجد میں دعائیں کروائی گئیں، جرمنی میں بھی دعائیں کرائی گئیں کہ اے خدا یہ سال احمدیت کی ہلاکت کا سال ثابت ہو، سارے مشن بند ہو جائیں، جو ترقی ہو رہی ہے وہ ساری قدم روک لے اور تو ایسا کر کے ان کے قدم واپس ہونے شروع ہو جائیں اور ہر جگہ سے احمدیت کی

صف لپیٹی جائے۔ یہ دعائیں ہیں جو ایک جمعہ کا دن منا کر انگلستان کے اکثر علماء نے مل کر اپنی مساجد میں مانگیں اور جرمنی کی مساجد میں خصوصیت کے ساتھ یہ دعائیں منگوائی گئیں۔ غالباً جرمنی اس لئے کہ اب انگلستان کے بعد سب سے زیادہ خطرہ جرمنی سے ہے اور ان کو ڈر ہے کہ یہاں کی جماعت اس تیزی سے پھیل رہی ہے کہ کچھ عرصے کے بعد ان کی کچھ پیش نہیں جائے گی۔

بہر حال یہ دعائیں وہ مانگ چکے ہیں اور مانگ رہے ہیں لیکن اس کے برعکس اللہ تعالیٰ ہمیں بھی کچھ دعاؤں کی توفیق بخش رہا ہے اور ان کی قبولیت کے وعدے فرما رہا ہے اور قبولیت کے نشان دکھا رہا ہے۔ پس وہ تعداد جو گزشتہ سال سولہ لاکھ کے قریب تھی سارے سال میں اور اکثر حصہ اس کا سال کے آخر پر ہوا کرتا ہے آخری چند مہینے میں، یہ آج تک تقریباً اتنی ہی تعداد کو پہنچ چکی ہے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے آئندہ جو امیدیں ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہرگز بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ گزشتہ سولہ لاکھ کو اس دفعہ دگنا کر دے۔ تو سوال یہ اٹھتا رہا ہے کہ ہم ان کو کیسے سنبھالیں گے جو جواب میں نے ان کو سکھایا اور آپ کو بھی سکھایا کئی دفعہ جماعت جرمنی کو ہدایت کی، اب پھر میں اس کو دہرا رہا ہوں۔ دنیا میں جماعتوں کو اس کی ضرورت ہے وہ ہے کہ میں نے ان جماعتوں کو ہدایت کی کہ اب آپ نے تربیت کے لئے الگ انتظار نہیں کرنا۔

دو قسم کی ٹیمیں بنائیں ایک تبلیغی ٹیم جو تیزی کے ساتھ آگے بڑھنا شروع ہو اور دوسری تربیت کی ٹیم، جو جو لوگ احمدیت میں داخل ہوں ان کو سنبھالنے پر مقرر ہوں اور ان کو کام اس طرح کرنا ہوگا کہ فوری طور پر ان علاقوں میں جہاں جماعت پھیلی ہے اچھی نیک فطرت روحوں کی تلاش کریں اور وہاں تربیتی کلاسز لگائیں اور ان کی تربیت کی کلاسوں میں احمدیت کے بنیادی عقائد بھی داخل ہوں اور آئندہ تبلیغ کیسے کرنی ہے یہ بھی تربیتی کلاس کا حصہ ہو اور نیک دل، نیک فطرت لوگ جو آگے بڑھنے کی طاقت رکھتے ہیں یا ہمت رکھتے ہیں ان کو شامل کریں اور ان میں آئمہ مساجد کو بھی داخل کریں، ان میں نوجوانوں کو جن میں جذبہ ہے ان کو شامل کریں اور ان کی کلاس کا امتحان یہ ہوگا کہ جب وہ کلاس ختم ہو تو اپنے علاقے میں مزید تبلیغ کے لئے پھیل جائیں اور پہلے تو جو احمدی ہوئے ہیں ان کو خود اپنی زبان میں تبلیغ کریں اور سمجھائیں کہ احمدیت کیا ہے۔

یہ اس لئے ضروری ہے کہ عمومی احمدیت کی سچائی کس طرح جلوہ دکھانے لگی ہے کہ بڑی

تعداد میں لوگ ایسے بھی ہیں جن کو تفصیل سے علم نہیں یہاں تک کہ اس نئے تربیتی نظام کے تابع مجھے یہ معلوم کر کے حیرت ہوئی کہ بہت سے آئمہ مساجد جو احمدی ہوئے تھے احمدی ہونے کے باوجود ان کو احمدیت کا پورا پتا نہیں تھا۔ ایک عام جذبہ سا ہے جو پھیل رہا ہے جیسے دن چڑھ جائے تو مختلف کونوں کھدروں میں، مختلف جگہوں میں جہاں سائے پڑے ہیں وہاں بھی روشنی اثر دکھانے لگتی ہے تو ان علاقوں میں احمدیت کا سورج تیزی سے طلوع کر رہا ہے کہ اب دیوار کے پیچھے اندھیرے بھی اندھیرے نہیں رہے وہاں بھی روشنی کچھ نہ کچھ نفوذ کر گئی ہے۔ پس اس وجہ سے پوری طرح احمدی عقائد، احمدی طرز عمل کا علم نہ ہونے کے باوجود یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ احمدیت میں داخل ہونے کا ایک رجحان رکھتے ہیں۔

تربیتی کلاس جو میں نے بیان کی یا تربیتی کلاسیں جن کا میں نے ذکر کیا ہے ان میں ان کو بتایا جاتا ہے کہ احمدیت کی حقیقت کیا ہے۔ غیروں سے کیا نمایاں فرق ہے۔ عمل میں کیا فرق پڑنا چاہئے۔ روزمرہ کی عبادت میں جو بعینہ آنحضرت ﷺ کی سنت کے مطابق ہے کیسے جان ڈالی جائے، کیسے اس میں روح پیدا کی جائے، کس طرح آپ میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ سے ایک ذاتی تعلق قائم کرے اور دعاؤں کے ذریعہ اس تعلق کو بڑھائے اور محسوس کرے کہ وہ زندہ ہو گیا ہے۔ یہ امور جب تربیتی کلاس کے ذریعہ ہم نے ان علاقوں میں نئے آنے والے احمدیوں کو بتانے شروع کئے، ان کو سمجھانے شروع کئے تو حیرت انگیز انقلاب پیدا ہوا ہے۔ بہت سے آئمہ کلاس کے بعد بڑے جوش سے اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا ہمیں تو اب پتا لگا ہے کہ ہم نے کیا حاصل کیا ہے اور اب ہمارا وعدہ ہے کہ ہم کثرت کے ساتھ اپنی قوم میں جا کر گھر گھر دروازے کھٹکھٹائیں گے اور ان کو بتائیں گے کہ احمدیت کتنی بڑی نعمت ہے اور اب جو تیزی آئی ہے تبلیغ میں یہ ان کی وجہ سے بھی آئی ہے۔ صرف پرانے مبلغین نہیں ہیں جو کام کر رہے ہیں۔ نئے آنے والوں کی جب تربیت ہوتی ہے تو ان میں ایک نیا جوش پیدا ہو جاتا ہے وہ اپنے اپنے علاقے میں اپنی اپنی قوموں کو احمدیت کا پیغام بڑی تیزی سے پہنچاتے ہیں اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ یہ سلسلے اب تیز سے تیز تر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

یہ وہ امور ہیں جن کی جماعت جرمنی کو بھی ضرورت ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ بہت سی جگہ

جماعت جرمنی ایسا کر بھی رہی ہے۔ کئی ایسے گروہ ہیں جو زبانوں یا قومی لحاظ سے جرمنی میں ایک تشکل اختیار کر چکے ہیں۔ بہت سے ان میں سے اکٹھے بھی ہیں۔ ان میں تبلیغ کے نتیجے میں جتنے بھی احمدی ہوتے ہیں لازم ہے کہ ان کی فوری روحانی تربیت بھی ساتھ ساتھ کی جائے۔ ان میں سے ہر ایک کو محسوس ہو کہ وہ پہلے مردہ تھا اب زندہ ہو چکا ہے۔ ہر ایک یہ محسوس کرے کہ اس کا خدا سے ایک زندہ تعلق قائم ہو گیا ہے۔ یہ چیزیں ہیں جو حقیقت میں انسان کو نفس مطمئنہ عطا کرتی ہیں۔ کل کی جو یہاں سوال و جواب کی مجلس ہوئی تھی اس کے بعد ایک اردو میں سوال و جواب کی مجلس ہوئی وہاں جو سوالات اٹھائے گئے ان میں سے ایک نفس مطمئنہ کے متعلق بھی تھا۔ چنانچہ میں نے آج ایک ایسی آیت کا انتخاب کیا جو اطمینان قلب کے مضمون پر روشنی ڈالتی ہے اور اس مضمون کا جو میں مضمون بیان کر رہا ہوں اس سے ایک گہرا تعلق ہے۔

نفس مطمئنہ ہی ہے جو بالآخر فتح پائے گا، نفس مطمئنہ ہی ہے جس کے نتیجے میں دنیا میں احمدیت کے اوپر یقین گہرا اور کامل ہوتا چلا جائے گا اور ایسے لوگ پیدا ہوں گے جن پر کبھی کوئی تزلزل نہیں آ سکتا۔ ان کے واپس ہٹنے یا پیچھے جانے کا کوئی سوال باقی نہیں رہتا۔ نفس مطمئنہ جسے نصیب ہو جائے اسے سب کچھ نصیب ہو گیا۔ پس کل کی مجلس میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ بعض اوقات انسان محسوس کرتا ہے کہ اسے نفس مطمئنہ عطا ہو چکا ہے مگر بعض دفعہ کچھ دیر کے بعد لگتا ہے کہ نہیں، تو وہ کیا پہچان ہے کہ ہم یقین کر سکیں کہ ہمیں نفس مطمئنہ مل گیا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اور سوال تھے مثلاً جو آج کل وظائف وغیرہ جاری ہیں، ٹونے ٹوٹکوں کے ذریعے بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ دنیاوی اور دینی مقاصد حاصل کر لیں گے ان کے متعلق بھی بعض عورتوں کی طرف سے سوالات تھے۔ تو اب میں سمجھتا ہوں یعنی اس وقت میں نے کل ہی سوچا تھا کہ آج کے جمعہ میں میں ان دونوں امور کی طرف توجہ دلاؤں گا تا کہ جماعت جرمنی میں جو سوالات اٹھائے گئے ہیں وہ آج آپ کی وساطت سے باقی دنیا کے سامنے بھی رکھے جائیں اور جہاں تک مجھ میں توفیق ہے میں ان کا جواب آپ کو دے سکوں۔

سب سے پہلے نفس مطمئنہ کی بات ہے قرآن کریم کی وہ آیت جو میں نے منتخب کی ہے وہ فرماتی ہے: اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان پاتے

ہیں۔ یہاں سب سے اہم بات یہ ہے کہ ایک طرف یہ فرمایا گیا۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اور پھر یہ فرمایا گیا کہ ذکر اللہ سے ہی دل اطمینان پاتے ہیں۔ تو یہ دو باتیں ہیں تو جو لوگ ایمان لاتے ہیں اللہ کے ذکر سے ان کے دلوں کو اطمینان پانا چاہئے، یہ مضمون ہے جسے اطمینان قلب کی حقیقت سمجھنے کے لئے سمجھنا ضروری ہے۔

ہر انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ اللہ کے ذکر سے دل اطمینان پاتے ہیں مگر کتنے ہیں جو اللہ کے ذکر سے واقعۃً دلوں کا اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ پس اس آیت میں جو دو بظاہر الگ الگ باتیں کی گئی ہیں وہ ہیں ہی الگ الگ۔ مراد یہ ہے کہ اگرچہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان پانا چاہئے مگر کم ہیں جو اللہ کے ذکر سے دلوں کا اطمینان پالیتے ہیں۔ پس وہ جو اللہ کے ذکر سے دلوں کا اطمینان پالیتے ہیں وہی ہیں جنہیں نفس مطمئنہ عطا ہوتا ہے۔ اب یہ جو مسئلہ ہے اسے عام زبان میں جسے سب لوگ سمجھ سکیں کچھ کھول کر بیان کرنا ضروری ہے۔ ہر شخص کو دل کا اطمینان نصیب ہونے کا ایک تجربہ ضرور ہے، ہر شخص کا دل کسی نہ کسی چیز سے اطمینان پاتا ہے۔ اب آپ نے کوئی مقصد اپنی زندگی کا بنا رکھا ہے، کسی کو دولت چاہئے، کسی کو اچھا مکان چاہئے، کسی کو اچھی سواری چاہئے، کسی کو اچھا گھر چاہئے یا گھر سے باہر کی لذتیں درکار ہیں۔ یہ ساری خواہشات ہیں جن کے پورا ہونے سے دل اطمینان پاتا ہے اور بظاہر یہ بات درست نہیں لگتی کہ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ خبردار صرف اللہ کا ذکر ہے جس سے دل اطمینان پاتا ہے۔ انسان اپنے روزمرہ کی سوچ میں اور روزمرہ کے تجربے میں یہ بات دیکھ رہا ہے کہ جو چیز اسے چاہئے، جو چیز وہ چاہتا ہے، جس کی اس کو طلب ہے جب مل جاتی ہے تو اسے اس میں اطمینان نصیب ہو جاتا ہے۔ پھر خدا تعالیٰ کا یہ کہنا کیا مطلب رکھتا ہے کہ اللہ کے ذکر کے سوا کسی چیز سے دل کو طمانیت نصیب نہیں ہو سکتی۔ ایک یہ پہلو ہے جس کو آپ خوب اچھی طرح غور کر کے سمجھ لیں۔ دنیا میں جتنی بھی خواہشات آپ رکھتے ہیں، ہر قسم کی خواہشات، اس میں نیکی بدی ہر چیز کی خواہش ہے اس کے پورا ہونے پر آپ کا دل مطمئن ہوتا ہے۔ یہ آپ کا تجربہ ہے لیکن اس کے ساتھ ایک اور تجربہ بھی ہے کہ کچھ دیر دل اس پر مطمئن رہتا ہے پھر مطمئن نہیں رہتا پھر مزید کی ہوس دل کو بے چین کر دیتی ہے۔ جو لوگ تاجر ہیں ان کو اگر اپنی تجارت کی زندگی کے آغاز کے ساتھ موجودہ کامیابیوں کا مقابلہ کرنے کی توفیق ملے تو وہ یہ دیکھ کر حیران ہوں گے کہ وہ جب شروع شروع میں

بیچارے تجارتیں کرتے پھرتے تھے یہاں سے کچھ کپڑا خریدا وہاں جا کے بیچا تو اس وقت تمنائیں بھی چھوٹی تھیں۔ ان کا دل چاہتا تھا کسی طرح اتنا منافع ہونا شروع ہو جائے کہ میں اپنے بال بچوں کو اچھی زندگی دے سکوں اور جب وہ نصیب ہوا تو تجارت کے اور رستے ان کے سامنے کھل گئے اور بال بچوں کو اچھی زندگی دینا مقصود نہ رہا بلکہ اس پر دل کو پورا اطمینان باقی نہ رہا۔ اب خواہش یہ ہے کہ اس تجارت کو بڑھا کر بعض چیزوں کے کارخانے کیوں نہ لگا لوں اور جنہوں نے کارخانے لگائے ان کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ ان کارخانوں کو انٹرنیشنل تجارت یعنی تمام دنیا میں تجارتوں کے ذریعے اتنا فروغ دوں کہ میں اپنی اس پروڈکشن میں، جو کاروبار میں کر رہا ہوں اس میں اور زیادہ چمکوں اور جو اور زیادہ چمکتے ہیں پھر اور زیادہ بڑے ہاتھ ڈالنے لگتے ہیں یہاں تک کہ بسا اوقات شیطان دل میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ تمہیں سچا اطمینان اس وقت تک نہیں مل سکتا جب تک لاکھوں مارک تم بینک سے قرضہ لے کر اپنی تجارت کو اور زیادہ بڑھا نہ لو۔ چنانچہ وہ نفس مطمئنہ کی تلاش میں کہ شاید وہاں جا کر میرے دل کو اطمینان نصیب ہو لاکھوں مارک قرضہ اٹھا لیتا ہے اور پھر ایسا دھکہ لگتا ہے تجارت کو کہ سب کچھ ہاتھ سے نکل جاتا ہے لیکن جس کے ہاتھ سے سب کچھ نکلے وہ جانتا ہے کہ دنیا کا اطمینان، اطمینان کی آخری منزل نہیں۔

جو دنیا کی طلب ہے اس میں اطمینان کو کبھی بھی آخری منزل نصیب نہیں ہوا کرتی اور انسان اس پر ٹھہر نہیں جایا کرتا بلکہ اطمینان کی نئی نئی راہیں اس کو دکھائی دینے لگتی ہیں کہ ان راہوں پر چلوں گا تو مجھے اطمینان نصیب ہوگا اور ساری زندگی اطمینان کی تلاش میں گزر جاتی ہے۔ ہر منزل کو اطمینان سمجھتا ہے مگر ہر منزل پر پہنچ کر معلوم ہوتا ہے کہ اطمینان کی منزل اس سے آگے تھی۔ پس یہ جو خیال ہے عامۃ الناس کا کہ ہم تو روزمرہ کی زندگی میں مادہ چیزوں کے حصول پر بھی اطمینان قلب حاصل کر لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ وہ اگر آیت کے اس حصے پر غور کریں تو ان کو معلوم ہوگا کہ ان کا اطمینان کا تصور جھوٹا تھا۔

دنیا کی پیروی سے، دنیا کو حاصل کرنے کے نتیجے میں بھی اطمینان نصیب نہیں ہوتا مگر بہت سے ایسے ہیں جن کو دنیا حاصل بھی نہیں ہوتی۔ وہ بیچارے پیچھے بھاگتے پھرتے ہیں، زور لگاتے ہیں مگر کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ بہت سے ایسے ہیں جو کچھ ہاتھ میں تھا وہ بھی گنوا بیٹھتے ہیں۔ بہتوں کی تجارتیں

اس طرح ڈوبتی ہیں کہ اپنے ماں باپ سے کمائی ہوئی جائیدادیں جوان سے ورثے میں پائی تھیں وہ بھی غرق کر دیتے ہیں تو اطمینان ہے کہاں؟ حاصل میں بھی اطمینان کوئی نہیں اور لا حاصل میں بھی کوئی اطمینان نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ غور سے سنو اس بات کو، سمجھو کہ اللہ کے ذکر میں اطمینان ہے اور اسی میں اطمینان ہے۔ مگر اللہ کے ذکر میں اطمینان تب ہو سکتا ہے جب اللہ کا ذکر اچھا لگے۔ اگر اللہ کا ذکر اچھا نہ لگے تو اس میں کیسے اطمینان ممکن ہے۔

پس یہ ایک دوسری منزل ہے جو ایک مشکل منزل ہے جس کو طے کرنا آسان نہیں یعنی اللہ سے کیسے اتنا دل لگایا جائے کہ اس کے ذکر سے اطمینان نصیب ہو اور جب تک یہ نہ ہو انسان کے دل کو اطمینان نہیں مل سکتا۔ فرمایا اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ کچھ لوگ وہ بھی ہیں جو ایمان لاتے ہیں اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے طمانیت پا لیتے ہیں۔ ان کے ذکر کے بعد یہ فرمایا اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ پھر فرماتا ہے۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ۔ یقیناً یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور پھر نیکیوں میں آگے بڑھنے لگے عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ نیکیاں کرنے لگے طُوْبٰى لَهُمْ ان کے لئے ایک ایسا بلند مقام ہے جس پر رشک کی نظریں پڑتی ہیں۔ طوبیٰ ایسے مقام کو کہتے ہیں جسے لوگ رشک سے دیکھتے ہوں وَحُسْنُ مَاٰبٍ اور بہت ہی خوبصورت لوٹ کر جانے کی جگہ ہے۔

اس ساری آیت کو میں پھر مختصراً آپ کے سامنے رکھتا ہوں تا کہ اس سوال کا جواب ملے کہ ہمیں پتا تو لگے کہ اطمینان قلب یا وہ حالت جسے نفس مطمئنہ کہتے ہیں ہمیں نصیب بھی ہوا ہے کہ نہیں۔ پہلی بات تو اس میں یہ ہے کہ اگر اللہ کے ذکر سے واقعی دل مطمئن ہوتا ہے تو لازماً اس کے نتیجے میں انسان کا دل دنیا سے رفتہ رفتہ ہٹتا چلا جانا چاہئے۔ کیوں جس چیز میں اطمینان ہو انسان اس کو اور چاہتا ہے۔ پس ہر انسان اپنے دل کو جانچ سکتا ہے، پہچان سکتا ہے کہ مجھے نفس مطمئنہ نصیب ہوا تھا یا وہم تھا کہ نفس مطمئنہ مل گیا ہے۔ نفس مطمئنہ اگر ایک دفعہ نصیب ہو جائے تو پھر کبھی چھوڑ کر نہیں جاتا اور اطمینان میں یہ بات داخل ہے کہ وہ حالت ٹھہر جاتی ہے وہ آنی جانی نہیں رہا کرتی۔ پس اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دنیا کی باتوں میں اطمینان نہیں ہے کیونکہ ان میں کوئی قرار نہیں۔ کوئی خواہش پوری ہو جائے تب بھی قرار نہیں کیونکہ اس سے اگلی خواہش پیدا ہو جاتی ہے اور کوئی خواہش نہ پوری ہو تو تب بھی قرار نہیں۔

نفس مطمئنہ ان لوگوں کو نصیب ہوتا ہے جن کو اللہ کے ذکر پر قرار آ جاتا ہے اور اللہ کا ذکر اتنا پیارا لگنے لگتا ہے کہ غیر کے ذکر سے نظریں پھرنے لگتی ہیں اور اللہ کے ذکر پر آ کر نظریں ٹھہر جاتی ہیں۔ اور صبح وشام، رات دن، اٹھتے بیٹھتے، خدا تعالیٰ کے ذکر، اس کے احسانات، اس کے حسن و احسان کا تصور انسان کے دل پر چھا جاتا ہے اور یہ چیزیں ایسی پیاری لگتی ہیں کہ پھر دوسری چیزوں کی طرف دیکھنے کو بھی دل نہیں چاہتا یا دیکھنے کو دل چاہے بھی تو وہ بھی اللہ کے احسان کے طور پر، اس سے زیادہ ان میں براہ راست دلچسپی نہیں رہتی۔ یہ وہ کیفیت تھی نفس مطمئنہ کی آخری حالت جو حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کو نصیب ہوئی۔ چنانچہ آپؐ کے تعلق بھی اپنی بیٹیوں سے، اپنی بہنوں، اپنے عزیزوں، رشتے داروں یعنی بہن جو رشتے میں بہنیں بنتی تھیں ان سب سے تھے مگر اس وجہ سے تھے کہ اللہ میرے ان تعلقات کو پیار سے دیکھ رہا ہے کیونکہ میں خدا کی خاطر بنی نوع انسان کے تعلقات کا حق ادا کر رہا ہوں اس بناء پر آپ کو دنیا کے رشتوں سے منہ موڑنا نہیں پڑا، تعلق توڑنا نہیں پڑا بلکہ دنیا کے رشتے بھی قائم رہے مگر اس لئے قائم رہے کہ اللہ چاہتا تھا کہ وہ قائم رہیں۔ پس آپؐ کی دنیا بھی آپؐ کا دین بن گئی اور اطمینان قلب کی اس سے بہتر حالت ہو ہی نہیں سکتی کہ دنیا بھی نصیب ہو اور دین بھی نصیب ہو مگر دنیا دین کے تابع ہو جائے اور صرف اس وقت اچھی لگے جب دین کے تابع ہو، جب دین سے ذرا بھی دنیا نے کنارہ کیا، رخ موڑا وہیں وہ دنیا بری لگنے لگ گئی۔

پس یہ عجیب تعلیم ہے جو قرآن نے ہمیں عطا فرمائی ہے۔ ہرگز قرآن یہ نہیں کہتا کہ ہندو سادھو کی طرح دنیا کو تج کر اس سے منہ موڑ کر اپنی ایک الگ دنیا بسا لو۔ قرآن یہ فرماتا ہے کہ تمہیں اطمینان قلب اللہ کی یاد میں نصیب ہونا چاہئے اور اللہ کی یاد پھیلتے پھیلتے خدا کی مخلوق پر بھی چھا جاتی ہے۔ جب اللہ یاد آتا ہے تو اپنے حسن و احسان کے حوالے سے یاد آتا ہے۔ اللہ کی یاد جب پیاری لگتی ہے تو اس کی تخلیق کے حوالے سے وہ یاد پیاری لگتی ہے۔ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آل عمران: 192) اللہ کو یاد رکھنے والوں کے لئے لازم ہے کہ اللہ کی صفات کی جلوہ گری کو یاد رکھیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات جس طرح بنی نوع انسان میں ظاہر ہو رہی ہیں، حیوانات میں ظاہر ہو رہی ہیں، کائنات میں ظاہر ہو رہی ہیں، زمین و آسمان کی تخلیق میں اور کائنات کے ازل سے لے کر اب تک مسلسل ترقی کرتے چلے

جانے میں خدا تعالیٰ کی جو صفات ظاہر ہو رہی ہیں ان پر نظر ڈالیں جتنی اس کی نظر وسیع ہوتی چلی جائے گی اتنا ہی اللہ کے ذکر سے اس کا دل زیادہ اطمینان پاتا چلا جائے گا۔

اور اسی طمانیت کے نتیجے میں اللہ کے ساتھ، اللہ کی یادوں کے ساتھ دل کا قرار پکڑنا اس کی مخلوق سے بھی ایک محبت پیدا کر دیتا ہے۔اس وجہ سے نہیں کہ مخلوق سے ذاتی تعلق ہے بلکہ اس لئے کہ اللہ کی مخلوق ہے۔اب یہ دو تعلق بظاہر ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے مگر بہت بڑا فرق ہے ان میں۔ایک انسان جب خدا کی مخلوق سے تعلق رکھتا ہے اور براہ راست مخلوق سے تعلق رکھتا ہے تو مخلوق کے تعلق میں اسے خدا نہیں یاد آتا مگر اللہ سے یعنی خالق سے تعلق رکھتا ہے تو مخلوق ضرور یاد آتی ہے۔ یہ وہ بنیادی فرق ہے طمانیت قلب اور طمانیت قلب کے نہ ہونے کا۔اب اس بات کو پھر دوبارہ غور کر کے دیکھیں تو آپ کو جو میں سمجھانا چاہتا ہوں آسانی سے سمجھ آ جائے گا۔

اللہ تعالیٰ سے اگر پیار ہے تو ناممکن ہے کہ خدا کی صفات جب اپنے جلوے دکھائیں تو ان سے پیار نہ ہو کیونکہ خدا تو صفات کا نام ہے اور صفات کی جلوہ گری سے ہی ہم اللہ کو دیکھتے ہیں ورنہ اللہ کی ذات تو ایک مبہم سی، انہونی سی چیز ہو جائے گی جس کا صرف نام ذہن میں ہوگا اس سے زیادہ ہمیں اس سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔اکثر دنیا کی خرابیاں اسی وجہ سے ہیں کہ اللہ کا نام ایک دل میں موجود ہے یا ذہن میں ایک تصور سا ہے مگر اس کی صفات کی جلوہ گری کا کوئی تصور نہیں۔اب آپ کے دماغ میں لفظ پھول آ جائے تو پھول کا تصور کر کے آپ کو خوشبو تو نہیں آئے گی۔اگر آپ کے دماغ میں لفظ پھول آ جائے پھول کا تصور کر کے اس کے رنگ تو نہیں آپ کو پیارے لگیں گے۔محض ایک خیال ہے۔تو بہت سے لوگ جو بظاہر مذہبی ہیں بظاہر اللہ پر ایمان رکھتے ہیں وہ اللہ کی صفات پر اس سے زیادہ ایمان رکھتے ہیں جیسا کہ ایک ان دیکھے، ان سنے پھول پر آپ کو ایمان ہے۔ہوگا کہیں اس چمن میں کھلا ہوا۔کسی صحرا میں لالہ بھی اگ جاتا ہے آپ کو اس سے کیا۔مگر وہ پھول جو آپ کے قریب آ جائے ، جسے آپ کی آنکھیں دیکھنے لگیں، جس کی خوشبو کو آپ کا ناک سونگھنے لگے جس کی لمس انگلیوں کو پیاری لگے، وہ پھول اور پھول کا تصور دیکھیں کتنے مختلف ہیں۔

پس اللہ کی یاد دل کو اس وقت اطمینان بخشتی ہے جبکہ اس یاد کا پھول آپ کی گودی میں آ جاتا ہے، آپ کے ہاتھوں میں کھیلنے لگتا ہے، اس کی خوشبو آپ کے ناک تک پہنچتی ہے اور پھر اللہ کی یاد صرف

ایک گونگے پھول کی طرح تو نہیں، اس میں لحن بھی ہے، اس میں دلکش آوازیں بھی ہیں اور انسان کا سارا وجود اپنے پانچ حواس خمسہ کے ساتھ اللہ کی یاد سے بعض دفعہ اس طرح جاگ اٹھتا ہے کہ اسے ایک نئی دنیا عطا ہو جاتی ہے۔ مگر یہ یاد ہمیشہ صفات کے حوالے سے ہوگی اس کے بغیر ممکن نہیں۔ اگر صفات کے حوالے سے ہو تو آپ کو دن بدن پیاری لگے گی اور آپ کے دل کو قرار بخشے گی۔ اگر صفات کے حوالے سے نہ ہو تو مخلوق سے آپ کو پیار ہوگا مگر جس نے پیدا کیا تھا اس سے پیار نہیں ہوگا۔

اب اسی پھول کی مثال میں دوبارہ آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ آپ پھول دیکھیں اور یہ نہ سوچیں کہ کس نے پیدا کیا تھا پھول کو، دیکھیں اور سونگھیں اور یہ نہ سوچیں کہ اس میں خوشبو کیسے پیدا ہوئی تھی اور خوشبو سونگھنے کی صلاحیت ہمیں کیسے ملی۔ باغ میں پرندوں کی آوازیں سنیں لیکن یہ نہ سوچیں کہ پرندے جو کچھ بھی بول رہے ہیں ان میں دلکشی کیوں ہے، ان میں حسن کیوں ہے، کیوں پیاری لگتی ہیں ان کی آوازیں صبح صبح، اور ہمارے کانوں کو کس نے یہ طاقت بخشی کہ ان آوازوں کو سن کر ان کا شعور حاصل کریں اور ان سے ایک لذت حاصل کریں۔ اگر یہ سب کچھ نہ سوچیں تو پھر پھول، پھول رہے گا، پرندوں کی آوازیں پرندوں کی آوازیں رہیں گی، آپ کو ان میں دلچسپی ہوگی، آپ عمریں گنوا دیں گے لیکن خالق کی طرف آپ کی توجہ نہیں جائے گی۔

محض دنیا کے حسن کی خالق سے الگ رکھ کر پیروی کرنا آپ کو اطمینان نہیں بخش سکتا۔ یہ وہ دنیا کی پیروی ہے جس سے انبیاءؑ انسان کو ڈراتے چلے آرہے ہیں۔ ایسی پیروی، دنیا کے ایسے پیچھے پڑنا کہ دنیا اپنی ذات میں مقصود رہے اس کا خالق سے تعلق ٹوٹ چکا ہو اس دنیا کی پیروی سے انسان کو کبھی اطمینان نصیب نہیں ہو سکتا۔ اطمینان نصیب ہو سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی صفات کے حوالے سے سفر شروع کریں یہ سفر آخر آپ کو دنیا تک ضرور پہنچائے گا۔ کیسے ممکن ہے کہ رحمان خدا کا تصور باندھیں اور رحم کرنے والی ماں کا تصور ساتھ پیدا نہ ہو، کیسے ممکن ہے کہ رب خدا کا تصور باندھیں اور دنیا میں آپ کے لئے جو ربوبیت کے سامان ہوئے ہیں آپ کی تربیت کے سامان، آپ کے کھانے پینے کے سامان، ان میں تنوع ہر قسم کی ایسی باتیں جو آپ کے حواس خمسہ محسوس کر کے لذت پاتے ہیں۔

یہ ساری باتیں جو ربوبیت سے تعلق رکھتی ہیں اگر آپ اللہ کے حوالے سے ان کو سوچیں تو ربوبیت کے سارے مظہر لازماً آپ کے سامنے رہیں گے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کا یہ

مطلب نہیں ہوگا کہ آپ اللہ کی صفات بیان کرتے ہیں۔ وہ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہے اور عالمین کو بھول جاتے ہیں اور ان کی ربوبیت سے اپنا تعلق توڑ لیتے ہیں۔ یہ جاہلانہ تصور بعض مذاہب میں پیش کئے جاتے ہیں۔ جن کا خدا سے تعلق ٹوٹ چکا ہے کہ ہر چیز سے اپنا تعلق توڑ لو یہ تمہاری نجات کا موجب ہوگا، یہ اطمینان کا موجب ہوگا۔

ہرگز اطمینان ہر چیز سے تعلق توڑنے سے نہیں بلکہ تعلق کی وجہ درست کرنے سے ہوتا ہے۔ اگر کسی محبوب کے پیاروں سے آپ کو پیار ہو محبوب کے حوالے سے، تو جب تک وہ پیارے اس کو پیارے ہیں آپ کو پیارے لگیں گے۔ جب اس کو پیارے نہ رہیں تو کیسے آپ کو پیارے لگ سکتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مضمون کو اٹھاتے ہوئے ایک مثال دی ہے کہ وہ شخص جو کسی سے پیار کرتا ہے اس کے بچوں سے بھی پیار کر رہا ہوتا ہے۔ اگر اس کے بچے اس کو دکھ دیں تو جو اس سے پیار کرتا ہے اس کا تعلق ان بچوں سے اسی طرح کٹنا شروع ہو جائے گا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ وہ لوگ جو خدا تعالیٰ کے ولی ہیں، جو اللہ کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں، جن کو ہمیشہ کی طمانیت اپنے رب کی ذات میں نصیب ہوتی ہے ان کے ساتھ اللہ کا بھی ایک ایسا ہی تعلق بن جاتا ہے۔ پھر ان کی خاطر اللہ تعالیٰ ان سب سے دشمنی کرتا ہے جو ان کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ ان کی خاطر اللہ تعالیٰ ان سب سے محبت کرتا ہے جو ان سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ تو اب دیکھیں یہ اللہ والے لوگ یہی تو وہ ہیں جن کا دل خدا سے اطمینان پاتا ہے۔ مگر ان کے کہنے کی بات نہیں رہتی ان کی علامتیں دنیا میں ظاہر ہونے لگتی ہیں اور خدا تعالیٰ دنیا کی توجہ ان کی طرف پھیرتا ہے۔ جو ان سے پیار کرتے ہیں اللہ ان سے پیار کرنے لگتا ہے۔ جو ان کے دشمن ہو جاتے ہیں اللہ ان کا دشمن ہو جاتا ہے۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب مباہلے کے چیلنج دیئے تو دراصل قرب الٰہی کی نشانی مباہلہ بن جاتا ہے۔ یہ بتانا مقصود تھا کہ اگر تم میرے دشمن ہو اور اب میں دعا کرتا ہوں کہ اے خدا! جو میرے دشمن ہیں تو ان کا دشمن بن کے دکھا تو پھر دیکھنا کہ خدا تعالیٰ تم سے کیا سلوک کرتا ہے۔ مگر بسا اوقات خدا کے تعلق والے نہیں چاہتے کہ اللہ دوسروں سے ناراضگی کا سلوک کرے۔ پس مباہلے کی حالت اور اس حالت میں ایک فرق ہے۔ آنحضرت ﷺ بھی مسلسل خدا کو اتنے

پیارے تھے کہ آپؐ سے دشمنی کرنے والے خدا کے قہر کی نظر کے نیچے تھے مگر آنحضرتﷺ کو بنی نوع انسان سے جو رحمت کا تعلق تھا وہ خدا ہی کی رحمت کے تعلق کا ایک نشان تھا۔ پس آپؐ کے حوالے سے بنی نوع انسان پر رحم کیا جا رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ آپؐ کے دل کی رحمت کو دیکھتا تھا جو اپنے دشمنوں سے اور اس کی رحمت کے حوالے سے ان سے بھی نرمی کا سلوک فرماتا تھا۔

اب یہ وہ مضمون ہے اطمینان قلب کا جس کو اگر آپ سمجھیں تو آپ کو بہت خزانے مل جائیں گے بہت بڑی دولت ہاتھ آ جائے گی۔ اللہ کو محمد رسول اللہﷺ سے کیوں پیار تھا اس لئے کہ خدا نہ ہوتے ہوئے آنحضرتﷺ نے اللہ تعالیٰ کی صفات سے پیار کیا اور خدا کی ذات کا پیار اس کی صفات کے پیار سے الگ نہیں ہوسکتا۔ پس یہ عجیب سی بات دکھائی دیتی ہے کہ بظاہر خدا تعالیٰ خود اپنی ہی ذات سے پیار کر رہا ہے مگر یہ پیار ایک شیشے کے حوالے سے ہے۔ کوئی انسان جو بہت ہی خوبصورت ہو اسے آئینہ کا حوالہ لینا پڑتا ہے، آئینہ کا ذریعہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ آئینہ دیکھتا ہے تو پھر اپنا حسن دکھائی دیتا ہے۔ پس خدا کے وہ بندے جن کا دل اللہ کے ذکر سے اطمینان پا جاتا ہے وہ اللہ کے لئے آئینہ بن جاتے ہیں۔ ان میں خدا تعالیٰ اپنے ذکر کو جلوہ گر دیکھتا ہے اور ان میں جلوہ گر دیکھتے ہوئے خدا تعالیٰ کو اس حسن سے ایک اور قسم کا پیار پیدا ہو جاتا ہے۔ جو اسی کا حسن ہے مگر کسی نے عاریۃً لیا ہے اپنے اوپر جاری کیا ہے۔

پس اگر چہ اللہ کی رحمت سب لوگوں کی خیر چاہتی ہے مگر جب اس کے بندے لوگوں کے دکھوں کے باوجود، خدا کی رحمت کو اپناتے ہوئے ان کی بھلائی چاہتے چلے جاتے ہیں تو اللہ ان کے حوالے سے ان کو معاف فرماتا ہے۔ اس رحمت کے حوالے سے ان کو معاف فرماتا ہے جو دنیا میں کام کر رہی ہے۔ اس رحمت کو توڑنے کے لئے، اسے مجروح کرنے کے لئے دنیا ہر کوشش کرتی ہے مگر وہ اس پر قائم رہتے ہیں۔ ایسے خدا کے بندے اس کو اور بھی زیادہ پیارے لگنے لگتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جن کا دل اللہ سے ایسا اطمینان پاتا ہے کہ خدا تعالیٰ سے ان کے لئے الگ ہونے کا کوئی سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ مگر اسی صورت میں ایک مباہلہ بھی ہے۔ جب دین کی بقاء کی خاطر، جب دنیا کو دکھانے کے لئے کہ واقعۃً یہ خدا کے بندے ہیں وہ خدا سے التجا کرتے ہیں اور خدا کے حکم پر مباہلہ کرتے ہیں تو اس کے نتیجے میں پھر ان کی رحمت دشمنوں کی راہ میں آڑ نہیں بن سکتی، روک نہیں بن سکتی۔

اس وقت دشمن یہ فیصلہ کر لیتا ہے کہ اب ہمیں ان کی رحمت سے نہیں بلکہ ان کے اللہ سے تعلق سے مقابلہ کرنا ہے۔ اگر خدا کا ان سے تعلق ہے تو پھر دکھائیں اپنا غضب ہم لوگوں پر۔ یہ وہ وقت ہے جب رحمت سمٹ جایا کرتی ہے اور غضب ابھرا کرتا ہے۔ پس ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ کے غضب سے ڈرنا چاہئے مگر ہوتا انہی کی خاطر ہے جن کے دل اللہ سے اطمینان پاتے ہیں ان کے علاوہ نہیں ہوتا۔ نفس مطمئنہ ہونا ضروری ہے اور نفس مطمئنہ کی ایک یہ بھی شان ہے جیسا کہ حضرت مصلح موعودؓ نے ایک شعر میں فرمایا:

ہو فضل تیرا یارب یا کوئی ابتلا ہو
راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تیری رضا ہو (کلام محمود: 273)

اس وقت اللہ تعالیٰ کے یہ بندے خدا تعالیٰ کے غضب پر بھی راضی ہو جاتے ہیں، اس کی غیرت کی تجلی پر بھی راضی ہو جاتے ہیں، وہ اپنا حال ایک طرف رکھتے ہیں اور اپنا سب کچھ خدا کی جھولی میں ڈال دیتے ہیں کہ اے خدا پھر جو تو چاہے کر ہم اسی میں راضی ہوں گے مگر اس کے باوجود ان کے اندر جو خدا کی رحمت کا ایک جاری چشمہ ہے وہ بند نہیں ہوا کرتا۔

یہ ایک ایسی کیفیت ہے جس کو کوئی انسان بیان نہیں کر سکتا مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارہا مختلف رنگ میں اسے بیان کرنے کی کوشش بھی کی۔ آپ سے جب دین کے دشمنوں نے مقابلے کئے اور وہ ہلاک ہونے لگے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام بعض دفعہ ساری رات ان کے حق میں دعائیں کرتے گزار دیا کرتے تھے۔ اے خدا! بڑے بدبخت لوگ ہیں مگر کسی طرح ان کو بچا لے۔ ان کی ہلاکت پہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خوشی نہیں ہوتی تھی، خدا کا نشان پورا ہوتے دیکھتے آپ کو خوشی ہوتی تھی۔ پس یہ کیفیت ہوتی ہے نفس مطمئنہ والوں کی کہ وہ خدا کی خاطر اپنا ہر سکون خدا کے ساتھ وابستہ کر لیتے ہیں۔ اپنی ہر بے قراری کو بھی خدا سے وابستہ کر لیتے ہیں۔ پس باوجود بے قراری کے ان کو اطمینان رہتا ہے۔

نفس مطمئنہ والوں کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ بے قرار نہیں ہوتے۔ آنحضرت ﷺ کو دیکھیں کہ وہ غیروں کے لئے کتنا بے قرار ہوا کرتے تھے۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ آپ کو نفس مطمئنہ حاصل نہیں تھا! مگر نفس مطمئنہ کا مطلب ہے جب بھی کسی وجہ سے بے قرار ہوں گے اللہ کی خاطر

ہوں گے۔ کوئی خدا سے دور ہٹ رہا ہے تو اللہ کی خاطر بے قرار ہوں گے۔ پس ان کی بے قراری میں بھی ایک طمانیت پائی جاتی ہے جو اللہ کے حوالے سے ہوتی ہے۔ یہ وہ باریک باتیں ہیں جن کو آپ سمجھیں یا اس وقت سمجھیں یا نہ سمجھیں مگر یاد رکھیں کہ نفس مطمئنہ ایک ایسی حالت کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفات سے محبت کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔ صفات باری تعالیٰ سے محبت کے بغیر نفس مطمئنہ نصیب نہیں ہوسکتا۔ اگر یہ محبت آپ کو مل جائے تو پھر وہ دن آپ کی نجات کا دن ہے۔ لازم ہے کہ اس کے بعد پھر کبھی اس پہلو سے آپ کو بے اطمینانی نصیب نہ ہو۔ بے اطمینانی ہو تو اس محبت کے حوالے سے ہو۔ یہ بظاہر متضاد مضمون ہے لیکن فی الحقیقت متضاد نہیں ہے۔ ایک شخص کو اگر کسی سے پیار ہو اور کوئی اس پیارے سے دشمنی کرتا ہو تو آپ کو اس پیار پر تو اطمینان ہے مگر اس سے دشمنی کرنے والے سے آپ کو جو دوری پیدا ہوگی اور تکلیف پیدا ہوگی کہ جس سے مجھے پیار ہے دیکھو یہ اس کو برا بھلا کہہ رہا ہے اگر اس سے پیار ہو تو یہ تکلیف ہونا لازمی ہے۔ پس نفس مطمئنہ کے لئے بھی کچھ بے قراریاں ہوا کرتی ہیں۔

یہ خیال دل سے نکال دیں کہ نفس مطمئنہ کو کوئی بے قراری نصیب نہیں ہوتی مگر نفس مطمئنہ کی تمام بے قراریاں اللہ کے حوالے سے ہوتی ہیں۔ اللہ سے پیار ہے۔ جس کو خدا سے پیار ہوگا آپ کو اس سے پیار بڑھتا چلا جائے گا۔ جس کو خدا سے پیار نہیں ہوگا اس کے لئے آپ کے دل میں بے قراری ہوگی کہ جس سے میں نے چین حاصل کیا یہ کیوں اس سے چین حاصل نہیں کرتا۔ یہ کیوں اس کو تکلیف پہنچاتا ہے جس سے مجھے پیار ہے۔ پس مطمئنہ کی بے قراریاں بھی اپنی جگہ ہیں مگر وہ بے قراریاں جو نفس مطمئنہ سے ہٹ کر ہوتی ہیں وہ تو جان لیوا ثابت ہوتی ہیں۔ وہ تو انسانی زندگی کو ہمیشہ جہنم میں تبدیل کرتی چلی جاتی ہیں۔ مگر وہ بے قراریاں جو نفس مطمئنہ کے نتیجے میں حاصل ہوتی ہیں، جو آنحضرت ﷺ کو سب سے زیادہ تھیں اگر یہ نہ ہوتا تو خدا آپ کو کبھی یہ نہ کہتا لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (الشعراء:4) اے میرے محبوب بندے ان جیسے لوگوں کے لئے اپنے دل کو ہلاک نہ کر۔ کس لئے دل ہلاک ہو رہا تھا اسی لئے کہ وہ اللہ سے دور تھے۔ جس سے آپ کو پیار ہے اس سے ان کو پیار نہیں تھا اور جس سے آپ کو پیار ہے وہ اتنا پیارا ہے کہ اس کے سوا کسی اور پیار کی قیمت ہی کوئی نہیں رہتی۔

یہ کیفیت تھی جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے دل کی کیفیت تھی یعنی آپ کی بے قراریاں

اللہ کے حوالے سے تھیں، اللہ کے پیار اوراس کی محبت کے حوالے سے تھیں اوران بے قراریوں پر سب سے زیادہ کس کی نظر تھی ۔اللہ کی نظر تھی جو آسمان سے ہر لحہ آپؐ کے دل پر نظر ڈالتے ہوئے فرماتا تھا لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اے میرے پیارے کیا تو اپنے دل کو ان جیسے لوگوں کیلئے ہلاک کر دے گا کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے ،اللہ سے دور ہیں ۔پس یہ نفس مطمئنہ ہے جس کا سارا سکون اللہ کی یاد اس کے پیار اوراس کی محبت میں ہو،جس کی ساری بے قراریاں اللہ کی یاد اوراس کے پیار اور اس کی محبت کی بناء پر ہوں ۔اگر آپ اپنے نفس میں یہ بات دیکھتے ہیں تو پھر آپ کو نفس مطمئنہ نصیب ہے اوراس کی آخری یقین دہانی خدا تعالیٰ اس وقت کرواتا ہے جب ایسا انسان جان آفریں کے سپرد اپنی جان کرتا ہے اور ہر شخص کو مرنے سے پہلے خدا تعالیٰ یہ یقین دلا دیتا ہے کہ اے میرے بندے تجھے نفس مطمئنہ نصیب تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسے وقت میں جب وہ جان دے رہا ہواس کو آسمان سے آوازیں آتی ہیں ۔يَاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ ﴿۲۸﴾ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿۲۹﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿۳۰﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ (الفجر:28تا31) کہ اے میرے بندے! میں جانتا ہوں کہ تجھے نفس مطمئنہ نصیب ہے اورنفس مطمئنہ کی آخری حالت یہ ہے کہ اپنے محبوب کی طرف کامل طور پر لوٹ آئے ۔پس اب تیری موت تیرے لئے مصیبت کا موجب نہیں ہے ۔تیری موت تیرے لئے خوشخبری لائی ہے ۔آج میں تجھے یہ کہہ رہا ہوں کہ تو تو ہمیشہ مجھ سے ہی اطمینان پایا کرتا تھا۔ پس اے مجھ سے اطمینان پانے والے، اے میری رضا سے راضی! سن کہ میں بھی تیری رضا پر راضی ہو گیا ہوں آ اوراس جنت میں داخل ہو جا جو میرے بندوں کی جنت ہے۔

پس نفس مطمئنہ کوئی واہمہ نہیں ہے جس کے متعلق آپ سمجھیں کہ پتا نہیں نصیب ہوا ہے کہ نہیں ۔ایک چیز ایسی جس کو آپ ہمیشہ دیکھ سکتے ہیں وہ ان باریک باتوں سے علاوہ ہٹ کر روزمرہ کے تجربے میں ہے وہ یہ ہے کہ جب کسی نیکی کو آپ ایسا اپنا لیں کہ وہ آپ کی ذات کا حصہ بن جائے، ناممکن ہو کہ اس کو اختیار کر کے آپ اکھاڑ کر پھر پھینک سکیں ، اکھیڑ پھینکیں اس کو، یہ اگر ممکن نہ رہے تو یہ نفس مطمئنہ ہے ۔پس نفس مطمئنہ کی تلاش میں بے شک یہ نہ سمجھیں کہ آپ کو نفس مطمئنہ کی تمام حالتیں یکدم نصیب ہوں گی لیکن یہ دیکھنا لازم ہے کہ کسی نہ کسی نیکی پر آپ کو اتنا اطمینان ہو جائے کہ پھر وہ نیکی آپ کے ہاتھ سے نہ چھوٹ سکے اس حصے میں آپ یقین کر لیں کہ آپ کو وہ نفس مطمئنہ نصیب ہو گیا ہے۔

آج جماعت احمدیہ کو ضرورت ہے کثرت کے ساتھ نفس مطمئنہ پیدا کرنے والوں کی کیونکہ ان کو، جماعت احمدیہ کو، اس کے بڑے چھوٹوں، بچوں تک کو بھی اگر نیکیوں پر نفس مطمئنہ نصیب ہونا شروع ہو جائے تو لازم ہے کہ یہ جماعت دنیا پر غالب آ کر رہے گی کیونکہ بالآخر نفس مطمئنہ، غیر مطمئنہ نفس پر ضرور قدرت رکھتا ہے اور اس پر غلبہ پایا کرتا ہے۔

اب چونکہ زیادہ مزید وقت نہیں ہے دوسری بات کا وہ پھر میں آپ سے کرلوں گا لیکن کل کی مجلس میں یہ بھی معلوم ہوا کہ یہاں جوٹونے ٹوٹکے وغیرہ اور وظیفے پڑھ پڑھ کر اپنے مقاصد حاصل کرنا، اس قسم کے توہمات بھی پائے جاتے ہیں۔ انشاء اللہ آئندہ کسی وقت ان چیزوں کا بھی میں جواب دوں گا سر دست چونکہ وقت ہو چکا ہے، سوا تین ہو گئے ہیں اس لئے اب اس خطبے کو یہاں ختم کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں فی الحقیقت نفس مطمئنہ عطا کرنا شروع کر دے۔

کسی کو ایک چھوٹی سی جگہ، اپنے دل کے ایک چھوٹے سے دائرے میں نفس مطمئنہ نصیب ہوگا اور جب ہوگا تو پھر اسے سمجھ آئے گی کہ نفس مطمئنہ کیا چیز ہے۔ یہ آجائے تو پھر ٹلا نہیں کرتا۔ آجائے تو پھر چھوٹ ہی نہیں سکتا آپ سے۔ پس جب آپ نیکی سے اتنا پیار کرنا سیکھ لیں گے کہ نیکی آپ کی جان بن جائے اس وقت آپ کو نفس مطمئنہ نصیب ہوگا۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین